IMPACT FACTOR
5.473 (SJIF)

UPA NATIONAL E-JOURNAL

Interdisciplinary Peer-Reviewed Indexed Journal

ISSIN
2455-4375

غالب بھی جس کے مدّاح تھے: مومنؔ خاں مومنؔ

ڈاکٹر ریشما تزئین

صدر شعبہ اردو

ایل۔اے۔ڈی۔اینڈ شریمتی آر۔پی۔کالج فار ویمن

شنکرنگر، ناگپور

اپنے انداز کی بھی ایک غزل پڑھ مومنؔ
آخر اس بزم میں کوئی نہ سخنداں ہوگا

اردو شعر و ادب کی دنیا کی ایک منفرد و ممتاز شخصیت ''حکیم مومن خاں مومنؔ'' ۱۸۰۰ئ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔

مومنؔ ایک اعلیٰ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ان کے آباواجداد مشہور طبیبوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ان کے والد حکیم غلام نبی خاں اور دادا حکیم نامدار خاں تھے۔مومنؔ کے دادا شاہ عالم کے عہد حکومت میں کشمیر سے آکر دہلی آباد ہوئے اور ان کی یہ خوش نصیبی تھی کہ وہ شاہی طبیبوں میں داخل ہوگئے۔مومنؔ کے والد حکیم غلام نبی خاں کو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے بے انتہا عقیدت تھی۔ مومنؔ کی پیدائش پر شاہ عبدالعزیز صاحب ہی نے ان کے کانوں میں اذان دی اور اسی صاحب بزرگوار نے ان کا نام 'مومن خاں' تجویز فرمایا تھا۔مومنؔ نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی بعدازاں شاہ عبدالقادر صاحب کی خدمت میں پہنچا دیا گیا۔مومنؔ نے شاہ عبدالقادر دہلوی سے عربی و فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ کچھ عرصے بعد شاہ عبدالعزیزؒ سے بھی استفادہ کیا اور کچھ کتابیں ان سے پڑھیں۔

مومنؔ حافظہ کے بہت قوی تھے۔ جو سنتے زبانی یاد ہوجاتا۔ وہ شاہ عبدالعزیزؒ کی مجلس میں شرکت کیا کرتے تھے۔اکثر شاہ عبدالعزیزؒ کا وعظ ایک مرتبہ سن کر بعینہ اسی طرح ادا کرتے تھے۔مومن کو ان صاحب بزرگوار سے دلی عقیدت تھی اور یہی وجہ ہے ان کی صحبت سے مومنؔ نے بہت کچھ سیکھا۔مومنؔ کی ابتدائی تعلیم و تربیت میں شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ ان بزرگوں کا بڑا ہاتھ ہے، جن کے مومن زندگی بھر احسان مند رہے اور ہمیشہ ان کا نام عزت و احترام سے لیا۔

درسیات ختم کرنے کے بعد اپنے والد اور چچا سے طب کی کتابیں پڑھیں اور مہارت حاصل کی۔خداداد ذہانت نے انہیں ایک اعلیٰ درجے کا طبیب بنا دیا اور انھوں نے طبیب کی حیثیت سے مقبولیت حاصل کر لی تھی۔لیکن صرف طب کو ہی انھوں نے اپنا پیشہ نہ بنایا بلکہ دیگر علوم و فنون میں بھی طبع آزمائی کی۔ وہ علم نجوم کی طرف متوجہ ہوئے جس سے انھیں قدرتی مناسبت تھی۔اور اس فن میں بھی انھوں نے کمال حاصل کیا۔

حالانکہ مومنؔ نے کئی علوم و فنون میں کمال حاصل کیا لیکن بنیادی طور پر وہ شاعر تھے۔انھیں اس فن سے دلچسپی اور فطری لگاؤ تھا۔اس زمانے میں شاہ نصیر مشہور شاعر تھے۔مومن ابتداء میں شاہ نصیر کو اپنا کلام دکھاتے تھے لیکن جلد وہ خود استادی کے مرتبے پر پہنچ گئے۔

Published in Collaboration with
Faculty of Humanities & Social Sciences
Seth Kesarimal Porwal College of Arts & Science & Commerce, Kamptee

IMPACT FACTOR 5.473 (SJIF)

UPA NATIONAL E-JOURNAL

Interdisciplinary Peer-Reviewed Indexed Journal

ISSIN 2455-4375

اپنے ڈھب کی کیا پڑی ایک اور مومنؔ نے غزل
دو ہی دن میں یہ تو کیسا ماہر فن ہوگیا

مومنؔ بڑے ہی رنگین مزاج شخص تھے۔شاعری سے انھیں مناسبت تھی اوران کی رنگینی اور عاشق مزاجی نے اسے اور بھی روشن کر دیا تھا۔مومنؔ نے اپنی شاعری کا آغاز غزل سے کیا لیکن ساتھ ہی دیگر اصناف سخن میں بھی طبع آزمائی کی اوران کا یہ کمال ہے کہ بہت جلد ہی انہوں نے متعدد اصناف سخن پر قدرت حاصل کر لی۔

مومن خاں مومنؔ کا اردو مجموعہ کلام 'کلیات مومنؔ' ہے جسے سب سے پہلے شیفتہؔ نے ۱۲۴۳ھ میں جمع کیا تھا۔اور خود مومنؔ نے اس پر نظرِ ثانی کی اور ترمیم کے بعد اسے کلیات کی شکل دی تھی۔اس نسخے میں سب سے پہلے قصیدے ہے، ان کے پہلے قصیدہ کا عنوان ''گہر ریزی خامہ ستائش بیگانہ ایست کہ دُریک دانہ بآب رساندۂ وگو ہر شب چراغ مہتاب آوردۂ او'' ہے۔جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد میں لکھا گیا ہے جو کچھ اس طرح سے شروع ہوتا ہے:

الحمد لواہب العطایا — اس شور نے کیا مزہ چکھایا
والشکر لصانع ابرایا — جس نے ہمیں آدمی بنایا
احسان ہیں اس کے کیا گھرابنار — سرسبع شداد کا جھکایا
کیا پایۂ منت سلیماں — اک بات میں تخت پر بٹھایا
کیوں شکر کریں نہ آلِ داوٗد — افسوں شہنشہی سکھایا
وہ نیّرِ آسمان تقدیس — جاں سوز مناظر ومرایا
اب بھی نظر اس مجاز میں ہے — کیوں مہر نگاہ میں سمایا
نے عقل بسیط اس کا پرتو — نے نور مجرد اس کا سایا
سبحانک یا الٰہ عالم — عالم ترا عجز نے دکھایا
ہرجائے ہے تیرا جلوہ لیکن — دیکھا نہ کہیں نظر نہ آیا

دوسر قصیدہ نعتیہ ہے جس کا عنوان ''زمزمہ سنجی طبع بہ مضمون بادخوانی نسیم گلشن نبوت وشمال چمن رسالت'' ہے۔جس میں تین مطلع اور ایک قطعہ ہے۔

اگر کہے مددے یا محمدؐ عربی — صفیر مرگ ہو رستم کو نعرۂ لاکوس
مخالفوں کو ترے دو جہاں جہنم ہے — کہ تاب مہر سے جلتے رہے ہیں یا بھی مجوس

تیسرا قصیدہ ''بیعتِ معانی برست عبارت سراپا اعجاز بفیض مدیح اولیں دستور صداقت طراز'' حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی منقبت میں کہا ہے۔چوتھا قصیدہ ''خطبہ خوانی دل وزباں بامید ثواب باثبات خدمت امیرالمومنین عمرؓ ابن خطاب'' ہے جس میں حضرت عمرؓ کی منقبت کی ہے۔پانچوں قصیدہ ''نامۂ راحیۂ چوں مہر وماہ نورانیست ہمانا بفیض مدیح ذوالنورین درافشانی است'' حضرت عثمانؓ

Published in Collaboration with
Faculty of Humanities & Social Sciences
Seth Kesarimal Porwal College of Arts & Science & Commerce, Kamptee

IMPACT FACTOR
5.473 (SJIF)

UPA NATIONAL E-JOURNAL

Interdisciplinary Peer-Reviewed Indexed Journal

ISSIN
2455-4375

کی منقبت میں کہا ہے۔ چھٹا قصیدہ حضرت علیؓ کی منقبت میں ''تیتری زبان کلک گوہر نثار برہان ساطع حقیقت وامارت خداوند ذوالفقار'' ہے۔ساتواں قصیدہ حضرت امام حسنؓ کی منقبت میں ہے۔اس کے بعد دو اور قصیدے ہیں۔نواں قصیدہ مہاراجہ اجیت سنگھ برادر راجہ کرم سنگھ رئیس پٹیالہ کی مدح میں ہے۔

اس طرح 'کلیاتِ مومنؔ' میں نو قصیدے شامل ہیں۔جن میں سے سات قصیدوں کے موضوعات دینی ہیں اور صرف دو دنیاوی۔ان قصیدوں میں بھی مومنؔ نے قصیدہ گوئی کا روایتی انداز اختیار نہیں کیا ہے۔ان قصیدوں میں ایسی باتیں زیادہ نظر آتی ہیں جو ان کے مخصوص مزاج پر روشنی ڈالتی نظر آتی ہیں۔باوجود اس کے انھوں نے قصیدے کے مذہبی موضوع میں وسعت پیدا کی ہے۔ان کا یہ کمال ہے کہ انھوں نے خلفائے راشدین کی مدح میں قصیدے قلم بند کئے ہیں۔مومنؔ کے قصیدے عام قصیدوں سے مختلف معلوم ہوتے ہیں وہیں ان کے قصائد میں نیا رنگ و آہنگ دکھائی دیتا ہے۔تشبیب جو کہ قصیدوں کی جان ہے۔مومنؔ کی قصائد میں عموماً انوکھی اور نادر ہوتی ہے۔اپنے چوتھے قصیدے میں جس میں انھوں نے حضرت عمرؓ کی منقبت کی ہے،اس کا آغاز اس طرح کرتے ہیں:

جو اُس کی زلف کو دوں اپنے عقدۂ مشکل   تو بوالہوس کا بھی ہرگز کبھی نہ چھوٹے دل
تم اور حسرتِ ناز آہ کیا علاج کروں   میں نیم جاں نہ رہا امتحان کے قابل
امید حور بہشتی پہ لاؤں کیا ایماں   کہ برہمن ہوں تو ردکردۂ بتان چگل
وہ شوخ برق عناں خاک میں ملا دیوے   اگر ہو حسرتِ دنبالہ گردیِ محمل

قصیدہ ''بیعت معانی بردست عبارت سراپا اعجاز بفیض مدیح اولیں دستور صداقت طراز'' جس میں انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کی مدح کی ہے،اس میں کہتے ہیں:

کوئی اس دور میں جیے کیونکر   ملک الموت ہے ہر ایک بشر
داد خواہوں کے شور سے دیکھو   چونک پڑتا ہے فتنہ حشر
آئینہ نے بھی اس زمانے میں   تیغ کے سے نکالے ہیں جوہر

نیاز فتح پوری مومنؔ کی تشبیبوں پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عرفیؔ کی طرح یہ خصوصیت مومنؔ ہی کو حاصل تھی کہ اکثر قصائد میں انھوں نے تشبیب کو اس کے صحیح معنیٰ میں پیش کیا اور رنگِ تغزل اس میں بھر دیا''۔

مومنؔ کے قصیدوں میں گریز میں بھی بڑی نزاکت پائی جاتی ہے۔اپنے پانچویں قصیدے میں جس میں انھوں نے حضرت عثمانؓ کی مدح کی ہے اس کے گریز کے اشعار ہیں:

اے صنم چاہیے مومنؔ کی فراست سے حذر   کیا نہیں تو نے سنا قصۂ شاہ ابرار
ہوئے ہیں زیبدہِ تخت خلافت عثماںؓ   جس کی مسند کے حسد سے فلک اطلس خوار

مومنؔ کے قصیدوں میں نزاکت و لطافت کی کوئی کمی نہیں۔ان کے تئیں ڈاکٹر عبادت بریلوی نے کہا کہ:

Published in Collaboration with
Faculty of Humanities & Social Sciences
Seth Kesarimal Porwal College of Arts & Science & Commerce, Kamptee

''ایک دل موہ لینے والا اندازِ بیان اختیار کیا ہے۔انھوں نے قصیدے کا پرشکوہ انداز پیدا کرنے کے لیے اپنے قصیدوں میں الفاظ کی بازی گری کی طرف توجہ نہیں کی ہے۔ وہ تو یہاں بھی مواد اور ہیئت کو ہم آہنگ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔یہی سبب ہے کہ مومنؔ کے ان قصیدوں میں اندازِ بیان کے ایک فطری آہنگ کا احساس ہوتا ہے۔اس اعتبار سے ان کی دلچسپی کبھی کم نہیں ہوسکتی''۔

مومنؔ کے قصیدے شاعرانہ تخیل کی وجہ سے بلند پایہ ہیں اور وہ ان میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔

مومنؔ کے قصیدوں کے بعد ان کی غزلوں کا حصہ ہے۔یوں تو مومن نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی لیکن بنیادی طور پر وہ ایک غزل گو شاعر تھے۔ ان کی غزلوں میں حسن وعشق اور اس کے مختلف پہلوؤں کی ترجمانی ہے۔ انھوں نے جذبات کے معاملات کو اپنی غزلوں کا موضوع بنایا۔مومنؔ صرف حسن وعشق کے شاعر ہیں اور یہی ان کی غزلوں کا بنیادی موضوع ہے۔جس میں ان کی زندگی کی جھلک کے ساتھ ساتھ عام انسانوں کے جذبات، تجربات کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔حسن وعشق کی دنیا میں جو کچھ ہوسکتا ہے ان سب کو مفصل طور پر مومنؔ نے اپنی غزلوں میں پیش کیا۔مومن نے اپنی زندگی صورت پرستی اور عشق وعاشقی میں گزاری تھی اور یہی وجہ ہے کہ ان کے اِن تجربات میں حقیقت اور راقعیت کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔زندگی کے مختلف پہلوؤں سے لطف اندوز ہونا انھیں آتا ہے۔ وہ مسرتوں کے،خوشیوں کے شیدائی ہیں۔زندگی کا جمالیاتی حسن ان کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے اور یہی وہ جمالیاتی حسن پرستی ہے جو ان کی غزلوں میں شگفتگی اور شادابی بکھیرے ہوئے ہے۔ان کے یہاں احساس غم ہے لیکن زیادہ نہیں، جو کہ ماحول کو تاریک کردے۔ یاسیت ان کے یہاں نہیں دکھتی۔ان کی غزلیں ان کی شخصیت کی صحیح آئینہ دار ہیں۔بعض اوقات تو انھوں نے خود کو اپنی غزلوں میں بے نقاب کردیا ہے۔مومنؔ نے خود کو صورت پرست کہا ہے جس کے اثرات ان کی غزلوں میں نظر آتے ہیں۔انھوں نے اپنی غزلوں میں قد وقامت، زلف وگیسو، چشم سرمہ، لبِ نازک، آواز، شرم وحیا وغیرہ پر قلم اٹھایا ہے۔مومنؔ نے اپنی غزلوں میں حسن کے ساتھ ساتھ اپنے حسنِ بیان کو بھی شامل کردیا ہے۔

سرمہ گیں چشم سے کیوں تیز نظر کرتا ہے
کب مرا نالہ ترے دل میں اثر کرتا ہے

دیکھئے خاک میں ملاتی ہے
نگہِ چشمِ سُرمہ سا کب تک

حیرت حسن سے یہ شکل بنی
کہ وہ آئینہ دکھاتے ہیں مجھے

رنگِ تغزل ان کی ذات میں سرائیت کئے ہوئے ہے۔انھوں نے غزلوں میں تمثیل اور تلمیح کو بھی بخوبی استعمال کیا ہے جس

Published in Collaboration with
Faculty of Humanities & Social Sciences
Seth Kesarimal Porwal College of Arts & Science & Commerce, Kamptee

سے ان کی غزلوں کو تقویت ملتی ہے۔

کچھ قفس میں ان دنوں لگتا ہے جی　　آشیاں اپنا ہوا برباد کیا
یہی اسیر اُس کے جو ہے اپنا اسیر　　ہم نہ سمجھے بعد کیا صیاد کیا

آتشِ آہ بے اثر دیکھی　　آسمان گلشنِ خلیلؑ ہوا

مومن کا یہ کمال ہے کہ انھوں نے رمزیت اور ایمائیت کو اپنے حدود میں رکھا ہے اور اس پہلو نے ان کی غزلوں میں مصورانہ شان بھی پیدا کردی ہے۔محاکات ان کی غزلوں کا خاص جوہر ہے اور اس طرح ان کی بنائی ہوئی تصویر زندگی سے بھرپور اور متحرک نظر آتی ہے۔

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا　　جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

ہے کوئی تو بات مومن جو چھاگئی خموشی　　کس بت کو دے دیا دل کیوں بت سے بن گئے ہو

وہ آئے ہیں پشیماں لاش پر اب　　تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

مومن کا یہ بڑا کمال ہے کہ انھوں نے سیدھی سادی اور عام بول چال کی زبان استعمال کی ہے۔ان کی زبان میں سادگی کا حسن ہے۔انھوں نے روزمرہ زبان کو بڑی چابکدستی سے برتا ہے۔ساتھ ہی روزمرہ استعمال ہونے والے محاوروں کو بھی حسن خوبی سے استعمال کیا ہے۔جس سے ان کی غزلوں میں حسن پیدا ہوگیا ہے۔غرض یہ کہ انھوں نے اپنی غزلوں میں الفاظ اور زبان و بیان کا جس طرح استعمال کیا ہے اس نے ان کی غزلوں کو فن کے اعتبار سے کافی بلند کردیا ہے۔

لگائی آہ نے غیروں کے گھر آگ　　ہوئے کیا کیا وہ اتنی بات پر آگ

اس کوچے کی ہوا تھی کہ مری ہی آہ تھی　　کوئی تو دل کی آگ پہ پنکھا سا جھل گیا

مومن نے اپنی غزلوں میں فارسی ترکیبوں کو بھی بحسن خوبی استعمال کیا ہے۔جو کہ بوجھل معلوم نہیں ہوتی ہیں بلکہ خاصی دلکشی اس میں نظر آتی ہے۔

لگی نہیں ہے یہ چپ لذتِ ستم سے کہ میں
حریفِ کش مکش نالۂ و فغاں نہ ہوا

5

امتحان کے لئے جفا کب تک　　　اِلتفاتِ ستم نما کب تک

محوِ جفا ستم کشِ الطاف کب ہوا　　　رحم اس کو میرے حال پہ آیا غضب ہوا

مومنؔ گفتگو کا سلیقہ جانتے تھے اور یہی مخصوص لب ولہجہ اور انداز ان کی غزلوں میں بھی نظر آتا ہے۔ان کی شخصیت ان کے لب ولہجہ میں نظر آتی ہے۔جس سے ان کی غزلوں میں رنگینی اور رعنائی دکھائی دیتی ہے۔

کیا کروں اللہ سب ہیں بے اثر　　　ولولہ کیا ، نالہ کیا ، فریاد کیا

سینے پر ہاتھ دھرتے ہی کچھ دل پہ بن گئی　　　لو جان کا عذاب ہوا دل کا تھامنا

ہم سے نہ بولو تم اسے کیا کہتے بھلا　　　انصاف کیجیے پوچھتے ہیں آپ ہی سے ہم

مومنؔ کے لب ولہجہ سے ان کی غزلوں میں ایک شان پیدا ہوگئی ہے۔انھوں نے غزل کہنے کا حق ادا کر دیا۔مومنؔ کی غزلوں کے موضوع محدود ہیں باوجود اس کے اس میں وسعتیں دکھائی دیتی ہیں۔انھوں نے غزل کے فن کو بخوبی برتا ہے۔ان کی غزلیں ہر اعتبار سے منفرد نظر آتی ہیں۔ان کی نازک خیالی، لطافت، ندرت اپنی مثال آپ ہے۔

مومنؔ کی تمام عمر شعروشاعری کرتے ہوئے گزر گئی۔ان کا یہ خاصہ تھا کہ صلے کی پرواہ کئے بغیر وہ شاعری کرتے تھے۔عاشق مزاجی اور رنگینی ان کی طبیعت کا حصہ تھا۔انھوں نے اپنی زندگی میں کئی معاشقے کئے اور ان کی مثنویوں سے ان کے اس پہلو پر بھی روشنی پڑتی ہے۔جو ان کی عشقیہ زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بیان کرتی ہیں۔حالانکہ یہ اُن کی آپ بیتی تو نہیں ہیں لیکن ان کی زندگی کے معاشقوں پر ضرور روشنی پڑتی ہے۔مومنؔ مثنویوں سے بھی ان کی قادرالکلامی کا ثبوت ملتا ہے۔ان مثنویوں میں بڑی ہی رعنائی اور دلکشی ہے۔ان کی یہ مثنویاں ان کی ذاتی تجربات کی صحیح آئینہ دار ہیں۔مومنؔ کی یہ مثنویاں اردو مثنوی کی فنی روایت کے زیر اثر قلم بند نہیں کی گئی، یہ با قاعدہ مکمل داستانیں نہیں ہیں۔باوجود اس کے ان میں سادگی اور صداقت موجود ہے جو انھیں دلچسپ بناتی ہے۔

مومنؔ کی پہلی عشقیہ مثنوی 'شکایت ستم' ہے۔جس میں انھوں نے اپنے عشقیہ واقعات کو بیان کیا ہے جس سے بخوبی نظر آتا ہے کہ بچپن ہی سے وہ عاشق مزاج تھے۔کھیلنے کودنے اور پڑھائی کرنے کے دنوں میں وہ عشق کر بیٹھے تھے اور ان کے عشق کے چرچے عام ہوگئے تھے۔

تھے برس ہم شمارۂ افلاک　　　کہ ہوا پائمال صورت خاک
کھودیا چین اک مہ رو نے　　　شب سیہ کی ہلال ابرو نے

نکلے ارمان خیال کے کیا کیا　　　ہوئے وعدے وصال کے کیا کیا

Published in Collaboration with
Faculty of Humanities & Social Sciences
Seth Kesarimal Porwal College of Arts & Science & Commerce, Kamptee

ہائے بچپن میں دل کا آجانا   کچھ سمجھتے نہ تھے یہ کیا جانا
شوق آیا تو دل نیازی کا   کھیل کھیلے تو عشق بازی کا
شغل طفلانہ دل کے پاس گئے   ہوش کے آتے ہی حواس گئے

گھر سے عیش وطرب کے جوش گئے   میری نیند اقربا کے ہوش گئے
ہوئے سرگرم چارۂ و تدبیر   کیے کیا کیا علاج بے تاثیر

حالانکہ یہ کوئی بلند پایہ مثنوی نہیں لیکن شاعرانہ حسن کے کچھ اچھے نمونے ملتے ہیں۔مومنؔ نے اپنی دوسری مثنوی کو'قصۂ غم' کا نام دیا ہے۔اس مثنوی میں درد،سوز،غم،الفت،محبت کے قصے ہیں۔کہیں نیچر کی بے چینی اور تڑپ اور کہیں وصال کا منظرنظر آتا ہے۔ اس کا قصہ ایک ایسے شخص کی محبت والفت کا ہے جو دشت میں مارامارا پھرتا ہے وراپنے معاشقے کومختلف انداز میں،مختلف پہلوؤں میں بیان کرتا ہے۔

اس میں مومنؔ نے اپنی شاعرانہ قابلیت کا اظہار کیا ہے،ساتھ ہی صنعتوں کا مناسب استعمال بھی کیا ہے جس نے ان کے فن کو اورنکھار دیا ہے ۔

تزئین سمن کے ہیں یہ ایام   گلگشت چمن کے ہیں یہ ایام
کیا رنگ چمن بہار پر ہے   عالم گل و لالہ زار پر ہے

لالہ کا خیال آئے ہے گر   پڑجاتے ہیں تازہ داغ دل پر
گلبرگ کہیں جو دیکھ پایا   خوں ناب دل آنکھ نے بہایا
یاد آگئی اک عذار گلرنگ   دل غنچہ سے بیشتر ہوا تنگ

باقی ہیں اب تو ہم میں حالت   ہے اور ہی دردوغم میں حالت
جاری ہے ہر ایک چشم سے خوں   تھے شعر کہ نالہ ہائے موزوں
اس قصۂ غم نے جی کھپایا   اس سوز نہاں نے دل جلایا
کرڈالا کباب سامعین کو   آگے نہیں تاب سامعین کو
ہر حرف ترا شرر فشاں ہے   ہے آگ کا شعلہ یا زباں ہے

'قولِ غمیں' مومنؔ کی تیسری مثنوی ہے۔اس مثنوی کے متعلق یہ خیال عام ہے کہ یہ ان کی سچی داستان عشق ہے۔اس مثنوی میں بھی چندواقعات بیان کئے ہیں لیکن اس میں حقیقت نظر آتی ہے اور ساتھ ہی اس میں سچائی نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے۔یہاں

عشق میں صداقت نظر آتی ہے۔اس مثنوی میں انھوں نے مرجانے کی آرزو کی ہے۔ان امتحانوں کو بیان کیا کہ جس سے عاشق ومحبوب کو گزرنا پڑتا ہے۔باوجوداس کے وہ زندگی سے بیزار نہیں، امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔اس مثنوی میں اس عہد کی معاشرت کی جھلکیاں بھی دکھائی دیتی ہیں۔فنی اعتبار سے یہ مثنوی کافی دلکش ہے۔تشبیہات واستعارات کی رنگینی ہے اور یہ ایک قابل ستائش شعری سرمایہ ہے ۔

ساقیہ زہر پلادے مجکو　　　شربتِ مرگ چکھا دے مجکو
ہاں سیہ مستیِ حرماں پہ نگاہ　　　دے وہ مے یعنی کفِ مار سیاہ
تلخیِ یاس عبادت کب تک　　　حسرتِ ذوق شہادت کب تک

بھردے اک جام کہ مرجاؤں ابھی　　　بھول کر آپ میں آؤں نہ کبھی
کاسۂ عمر کا بھرنا اچھا　　　ایسے جینے سے تو مرنا اچھا
کاش مرجاؤں کہ چین آئے کہیں　　　بدماغی سے سرِ زیست نہیں

چارہ گر ہو نہ سکے فکر تو ہو　　　وصل جاناں نہ سہی ذکر تو ہو
ماجرا سن کے مرا رونے لگے　　　روتے دیکھے تو ذرا رونے لگے

چوتھی مثنوی ’تف آتشیں‘ ہے۔جو شروع ہی جام شراب احمر سے ہوتی ہے تاکہ غم غلط ہو۔کیونکہ وہ عشق کا مارا ہے اور ہر وقت آہ وفغاں کرتا رہتا ہے۔یہ مثنوی دوسری مثنویوں سے مختصر ہے لیکن اس مثنوی میں بھی حسن وخوبصورتی سے اپنے تجربات کو پیش کیا ہے۔اس میں تڑپ وبے چینی ملتی ہے ۔

کھول دے ساقی منھ کو سبو کے　　　پیتے ہیں کب سے گھونٹ لہو کے
جام شراب احمر بھر دے　　　چشم بھر آئی کہ ساغر بھردے

کس کنے بیٹھوں کیونکر ٹھہروں　　　ٹھہرے یہ دل تو دم بھر ٹھہروں
یار نہیں ہیں اپنے ڈھب کے　　　آئی ہے وحشت ملنے سے سب کے
سر گلستاں خار لگے ہے　　　موج رواں تلوار لگے ہے

مومن کی پانچویں مثنوی ’چنیں مغموم‘ نام سے موسوم ہے۔اس میں جاذبیت اور حسن بیاں دلکش ہے۔چھٹی اور آخری مثنوی ’آہ وزاری مظلوم‘ ہے۔اس مثنوی میں انھوں نے معشوق کو پوری طرح نمایاں کیا ہے۔اس مثنوی میں جذباتی کیفیت اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔مومن کی مثنویاں اردو مثنوی میں نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ان میں خواب وخیال نہیں بلکہ انسانی زندگی کی حقیقت اور فطری

Published in Collaboration with
Faculty of Humanities & Social Sciences
Seth Kesarimal Porwal College of Arts & Science & Commerce, Kamptee

معاملات کی ترجمانی دکھائی دیتی ہے۔ان میں ہمیں سچائی وصداقت محسوس ہوتی ہے۔مومنؔ کی مثنویاں،ان کی شخصیت کی عکاس نظر آتی ہیں۔ساتھ ہی یہ مثنویاں اپنے عہد کی تہذیب وثقافت کی بھی ترجمان ہیں۔اس عہد کا سماج،معاشرہ کی جھلک ان مثنویوں میں دکھائی دیتی ہے۔ساتھ ہی ان میں اعلیٰ درجے کے شاعری کے نادر نمونے بھی نظر آتے ہیں۔یہ مثنویاں حسین ور دلکش ہیں۔ستھ ہی واقعہ نگاری،جذبات نگاری اور منظرکشی کے اچھے نمونے بھی ہمیں مومنؔ کی ان مثنویوں میں مل جاتے ہیں۔انھوں نے زبان والفاظ کو حسنِ خوبی سے برتا ہے۔

مومنؔ نے شاعری کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔انھوں نے سو سے زائد رباعیات کہی ہیں جن سے زیادہ تر عقائد وفلسفۂ مذہب پر روشنی ڈالی ہے ؎

مون ہے اگرچہ سب اسی کا یہ ظہور　　توحید وجودی کا نہ کرنا مذکور
یعنی کہ بنائے ہیں خدا نے بندے　　بندے کو خدا بنائے کس کا مقصود

مومنؔ نے واسوخت،ترجیع بند،ترکیب بند،قطعات بھی لکھے ہیں اور دوسرے شعراء کے اشعار کی تضمین بھی بحسن وخوبی کی ہے۔مومنؔ کے عہد میں دلی میں بڑے بڑے شعراء موجود تھے۔اس زمانے میں مرزا اسداللہ خاں غالب کی شاعری کے چرچے تھے اور غالب مشکل ہی سے کسی کی شاعرانہ عظمت کو قبول کرتے تھے۔لیکن مومنؔ کی یہ خوش نصیبی تھی کہ غالب نے انھیں اعلیٰ درجے کا شاعر مانا تھا۔

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا　　جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

جب غالبؔ نے مومنؔ کا یہ شعر سنا تو وہ بے اختیار کہہ اٹھے کہ ’’کاش مومن خاں میرا سارا دیوان لے لیتا اور یہ شعر مجھے دے دیتا‘‘۔

مومنؔ کی اہمیت کو ان کے ہم عصر شعرائ،تاریخ نویسوں،نقادوں،محققوں،تذکرہ نگاروں غرض سب ہی نے تسلیم کیا ہے۔شعروسخن سے انھیں مناسبت تھی اور ان کے عاشقانہ انداز نے اسے اور بھی جلا بخشی۔

مومنؔ ۱۸۵۱ئ میں اپنے کوٹھے سے گر گئے اور چند ماہ بستر علالت پر گزار کر ۵۳ سال کی عمر میں اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔لیکن اپنی ادبی خدمات کی بدولت ادب میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا سامان کر گئے۔

کتابیات :

(۱)　مومن اور مطالعۂ مومنؔ　ڈاکٹر عبادت بریلوی　اردو دنیا　۱۹۶۱ئ
(۲)　کلیات مومنؔ　پبلشر،رام نراین لال بینی مادھو الہ آباد　۱۹۷۱ئ
(۳)　مومنؔ،حیات وشاعری　احسان دانش،عبدالرحمن اصلاحی　قصر اردو،دہلی
(۴)　اردو ادب کی تاریخ　عظیم الحق جنیدی　ایجوکیشن بل ہاؤس،علی گڑھ　۲۰۰۲ئ